

سے یہ اقرار کر رہا تھا کہ واقعی وہ کسی بھی لحاظ سے اپنی اچھا شوہر ثابت نہیں ہوا جتنی اچھی بیوی وہ ثابت ہوئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کی غلطیوں نظر انداز کر دیا کرتی تھی۔ شادی کے اولین دنوں میں ایسا ہوا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ وہ بھی جھنجھلا نے لگی اور چڑنے لگی تھی۔ اسے احساس دلانے لگی تھی اس کی غلطیوں کا۔ کبھی کبھار ان میں ہلکی پھلکی بحث کلامی بھی ہو جایا کرتی تھی لیکن نوبت کبھی اس حد تک نہیں آئی تھی کہ یہ سختی ان کی ازدواجی زندگی میں زہر گھولتی۔ اس کا کرڈنٹ وہ اپنی بیوی کو ہی دیتا تھا جو ہر بار اس کے وعدوں پر یقین کر لیتی تھی۔

وہ بڑے اچھے موڈ میں ڈرائیونگ کر رہا تھا اور ایسا بہت دنوں بعد ہوا تھا اور نہ جیل روڈ کی راجوم ٹریفک اور دیر تک روکے رکھنے والے سنگنل اچھے اچھوں کا موڈ خراب کر دیا کرتے تھے اور وہ تو یوں بھی دو سال ملائیشیا میں رہ آیا تھا۔ باہر چند دن بھی گزار آنے والوں کو وطن واپسی پر یونہی ہر چیز میں سوسو کیڑے نظر آتے ہیں۔

”آف اس قدر گرد... مجھے تو ڈسٹ الرجی ہے یا ہر لکنا محال ہو گیا ہے۔“

”یہ پانی مجھے سوٹ نہیں کر رہا۔ پیٹ میں مسلسل گڑ بڑ ہے۔“

”تیرے سالے دار کھانے مجھے بھرا کوڑھے ہیں۔“



”یہ جتنی ٹریفک یہ خوفناک بارن میں ڈرائیونگ نہیں کر سکتا لاہور کی سڑکوں پر۔“

وغیرہ وغیرہ چاہے ایک عمر اسی دھول مٹی میں گزارا ہو۔

آج اس کے خوشگوار موڈ کی وجہ اس کی بیوی تھی۔ اس کی حسین اسماٹ سی بیوی جو شادی کے اتنے برسوں بعد بھی ایسی کی ایسی تھی بس نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ عادتاً بھی۔

آج بھی وہ اس کی تمام تر کوتاہیوں اور لاپرواہیوں معاف کر دینے میں اتنی ہی فراخ دل تھی۔ اس کے سامنے بھلے وہ تسلیم نہ کرے مگر اس وقت وہ کھلے دل

”یہ جتنی ٹریفک یہ خوفناک بارن میں ڈرائیونگ نہیں کر سکتا لاہور کی سڑکوں پر۔“

وغیرہ وغیرہ چاہے ایک عمر اسی دھول مٹی میں گزارا ہو۔

آج اس کے خوشگوار موڈ کی وجہ اس کی بیوی تھی۔ اس کی حسین اسماٹ سی بیوی جو شادی کے اتنے برسوں بعد بھی ایسی کی ایسی تھی بس نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ عادتاً بھی۔

آج بھی وہ اس کی تمام تر کوتاہیوں اور لاپرواہیوں معاف کر دینے میں اتنی ہی فراخ دل تھی۔ اس کے سامنے بھلے وہ تسلیم نہ کرے مگر اس وقت وہ کھلے دل

”یہ جتنی ٹریفک یہ خوفناک بارن میں ڈرائیونگ نہیں کر سکتا لاہور کی سڑکوں پر۔“

وغیرہ وغیرہ چاہے ایک عمر اسی دھول مٹی میں گزارا ہو۔

آج اس کے خوشگوار موڈ کی وجہ اس کی بیوی تھی۔ اس کی حسین اسماٹ سی بیوی جو شادی کے اتنے برسوں بعد بھی ایسی کی ایسی تھی بس نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ عادتاً بھی۔

آج بھی وہ اس کی تمام تر کوتاہیوں اور لاپرواہیوں معاف کر دینے میں اتنی ہی فراخ دل تھی۔ اس کے سامنے بھلے وہ تسلیم نہ کرے مگر اس وقت وہ کھلے دل

سے وہ اپنا سیل فون بھی چارج کرنا بھول گیا تھا۔ آفس سے گھر فون کر کے اس نے اپنی وزیر آباد روانگی کی اطلاع دینا بھی ضروری نہ سمجھا یہ سوچ کر کہ کون سا وہاں زیادہ دن رہنے جا رہا ہے شام تک آہی جائے گا۔ ایسے میں اس کے ذہن میں دور دورہ تک کہیں بھی وہ پروگرام نہ تھا جو اس کی موجودگی میں بلکہ اس کے مشورے سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اگر وہ کام کے سلسلے میں وزیر آباد جانے کی اطلاع دینے کی غرض سے گھر فون ہی کر لیتا تو شاید بروقت یاد آجاتا مگر حسب معمول ان باریکیوں کی جانب اس کا دھیان نہیں گیا کہ شام کو معمول کے وقت سے دو ڈھائی گھنٹہ لیٹ پہنچنے سے اس کے گھر میں پریشانی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ اندازہ ہوا کہ اس سے کتنی سنگین غلطی ہو چکی ہے۔ بھائی جان سخت ناراض تھے اس سے بات کرنے کے لیے روادار نہیں تھے نہ ہی اس کا کوئی عذر سننے پہ تیار۔ یہ اس کی بیوی ہی تھی جس نے بروقت معاملہ سنبھال کر نہ صرف اتنے لوگوں میں اس کی عزت رکھی بلکہ تمام قصہ خوش اسلوبی سے نمٹایا۔ یہ الگ بات کہ خود اس کی ناراضی دیر تک چلی۔

ہست سے وعدوں، قسموں اور معافی تلافی کے بعد بمشکل وہ گھر سے نکلا تھا۔

”خدا کا واسطہ ہے آج تو لب سے اپنی رپورٹس لے آئے گا۔ ایک ہفتے سے اوپر ہو رہا ہے۔ ایک تو آپ کی اس عادت سے میں مت تنگ ہوں ہر کام کو کل سے پھر اس سے اگلے کل پر ٹالتے رہتے ہیں۔“

نکلتے ہوئے اس نے یاد دہانی کروائی تھی۔ واقعی وہ بہت دنوں سے یہ کام ٹال رہا تھا۔ دوسرے بہت سے کاموں کی طرح۔ آج کل اس کی چھوٹی بیٹی کچھ بیمار تھی ورنہ اس کی بیوی ایسے چھوٹے موٹے کام اس پر چھوڑتی ہی نہ تھی (اس کی لاپرواہی سے واقف ہونے کی وجہ سے) ڈاکٹرز کے پاس لے جانا، بل جمع کرانا، شاپنگ وغیرو یہ سب کام وہ خود کر لیا کرتی تھی اور پچھلے دو سال جو اس نے شوہر کے بغیر گزارے تھے اس

دوران اس کی کسی پہ انحصار نہ کرنے والی یہ عادت اور بھی بڑھتی ہوئی تھی۔

گھر سے نکلتے ہوئے اس نے ہمیشہ کی طرح اس ٹاکیڈ پہ سر ہلادیا تھا اس پہ عمل کرنے کا اس کا واقعتاً کوئی ارادہ نہ تھا۔ ڈاکٹرز، ہسپتال، لیب ان سب جھنجھٹوں سے وہ سدا کا بیزار تھا مگر مین روڈ تک آتے آتے اسے اپنے وہ سارے وعدے یاد آئے جو اس نے چند گھنٹے پہلے کیے تھے اور جن پہ یقین کر کے اس کی ناراض بیوی اپنی خفگی ختم کرنے پہ تیار ہوئی تھی۔

”کیا ہے بھئی۔۔۔ جہاں سارا دن بہت سے کام اپنی مرضی کے پیر کر رہتے ہیں، وہاں ایک یہ بھی سہی۔ اس پندرہ منٹ لگیں گے شاید اس سے بھی کم گھر آجائے۔ رپورٹس دیکھنے کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کچھ تو عزت تو جانے کی ان وعدوں کی۔“

یہی سوچ کر اس نے اپنا رخ ریس کورس روڈ کی جانب کر دیا جہاں شہرت کی سب سے مشہور اور اچھے ساڑھے کی حالت میں اس نے آج سے دو دن قبل سیر کرنا شروع کیا تھا اور یہ بھی اس کی نصف پیمانی تھی۔ وہ اس کی صحت کے حوالے سے خاصی حساس تھی۔ دراصل اس کے ابا اور امی دونوں شوگر کے مریض تھے۔ ابا کے گردے کی خوبی بہت کم ہو گئے تھے، امی کی وفات بھی ان ہی کی بیماری کے باعث ہوئی تھی اور چونکہ یہ مریض ہو رہی تھی اس لیے وہ اکثر ڈیپریسڈ اور بے بسی کے بلڈ ٹیسٹ ڈیٹیلوں سے ملتی تھی۔

تاکہ شوگر لیول ذرا سا بھی بڑھ جائے تو بروقت علاج شروع ہو سکے۔ بغیر علاج کے بھی وہ اس کی غذا پہ خاصی نظر رکھا کرتی تھی۔ ملائیشیا میں قیام کے دوران بھی اس کی جانب سے ٹیسٹ کرواتے رہنے کی ٹاکیڈ مسلسل ہوتی رہی تھی جسے وہ نامتار بار مگر مہل آنے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ مکمل طور پر اس کے رجمو کر رہی تھی۔ وہ زبردستی اسے ساتھ لے جا کر سارے ٹیسٹ کروا آئی تھی اور اب کئی روز سے رپورٹس لانے کی مسلسل

ٹاکیڈ کر رہی تھی۔

”آپ کی رپورٹس ڈاکٹر احسان اللہ کے پاس ہیں۔ میں انہیں انفارم کر دیتی ہوں۔ آپ پلیریزان کے روم میں چلے جائیں۔“

کاؤنٹر پہ بیٹھی خوش اطوار لڑکی نے اس کے ہاتھ سے سلب لینے کے بعد کمپیوٹر اسکرین پہ ایک نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”مگر میں نے کسی ڈاکٹر احسان اللہ سے اپنا ٹیسٹ نہیں لی۔ میں صرف اپنی رپورٹس لینے آیا ہوں۔ پہلے بھی آتا رہا ہوں۔“ اور یہیں سے وہ کچھ الجھ گیا مگر اس لڑکی نے اس کی بات کھلی۔

”وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور اس ڈاکٹر کے پاس رہنا۔ لیکن لالیس۔ روم نمبر تو ان کا ہی ہے۔“

ایسا اللہ اللہ لڑکی نے ہنسی سے کہا۔ بے حد گھبراہٹ اور بے بسی کی نظر میں جھٹکا ہوا تھا۔

”کہیں وہی تو نہیں ہو گیا جس کا ڈور تھا۔ کہیں اباجی اور بای کی طرح مجھے بھی شوگر۔“

انڈر سے وہ انتہائی ڈر لاک اور کم حوصلہ انسان تھا۔ اس نے اندیشے کے پیرا ہو کر کئی بار اس کے لڑکے کی طرف نظر کیا۔

”یا پھر کوئی دل کا عارضہ۔۔۔ کینسر، نہیں نہیں۔“

وہ حیل و لایہ میں کیا لڑکے کو سوج رہا ہوں۔ ہٹا کر کہا۔

”ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔“ لڑکی نے ہنسی سے کہا۔

بہر حال اس کے امکان تھے۔ ایک تو خوردنی وجہ سے اور دوسری وجہ سے۔

”خدا کا شکر ہے کہ شوگر کی بیماری پریشانی نہیں آتی۔ اس کا بس چلنا تو میرے سائیں سے پہنچنے کی پابندی لگادے۔“

اسے اپنے ماں باپ کی بیماری کے ایام یاد آئے بڑے تنگ اس کی بیوی نے ایک اچھی، مثالی اور خدمت گزار ہوئی طرح ان کا حد درجہ خیال رکھا تھا۔ آخری وقت تک ان کے لبوں پہ اس کے لیے دعائیں تھیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے سخت ترین پرییز اور احتیاط سے بھی تنگ آئے ہوئے تھے۔

”اللہ کرے، معاملہ بلکہ پچھلے علاج سے نمٹ

جائے۔ اگر بات اس تک پہنچ گئی تو سر پہ سوار کر کے مسئلہ عظیم ہٹا ڈالے گی۔“

چند قدموں کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اس نے کتنی ہی باتیں سوچ لیں۔ کتنی ہی تسلیاں خود کو دے لیں۔

۔۔۔ گھر وہ اپنی گھبراہٹ پہ قابو نہ پاسکا۔

ہینڈل پہ ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اس نے اپنی انگلیوں کی لرزش کو بخوبی محسوس کیا تھا۔

”مسٹر فائق رضا؟“

بے ترتیب گھرے بالوں والے، طویل قامت اور چہرہ عمر ڈاکٹر احسان اللہ نے سوالیہ انداز میں اس کا نام دہرایا۔

”بمشکل اشات میں گردن ہلا سکا جس پر اس نے ڈاکٹر کے چہرے پہ چھائی گھبیر سنجیدگی میں دہنا اضافہ ہوا اور کھانے والے عدسوں والے چشمے کی اوٹ سے جھانکتی آنکھوں میں وہ اپنے لیے تاسف بھی دیکھ رہا تھا۔ اس کی وہ ساری تسلیاں اور دلا سے جو وہ خود کو دیتا آ رہا تھا مل میں اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھن چھو ہو گئے۔“

”جی۔۔۔ آپ نے مجھ سے کوئی بات کرنا تھی؟“

اس نے اپنے خشک ہوتے حلق کو تھوک نکل کر تر کرتے ہوئے بمشکل پوچھا۔

”بیٹھے، مسٹر فائق ا۔“

اسے اپنے سامنے بٹھا کر ڈاکٹر احسان اللہ خواجخواہ سامنے رکھے لیپ ٹاپ پہ مصروف ہو گئے۔ کم از کم اسے تو یہ مصروفیت بے وجہ اور بے موقع ہی لگ رہی تھی لیکن اس بار وہ اپنا سوال دہرانے کی ہمت مجتمع نہ کر سکا۔

”یسا ہے مسٹر فائق“ بلا آخر اس کے بیٹھنے کے پانچ منٹ بعد ڈاکٹر احسان اللہ نے اسے مخاطب کر ہی لیا۔

”میں نے آپ کی رپورٹس دیکھی ہیں اور ان میں ایک تشویش ناک بات یا گری آپ کو یہاں تک بلایا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کی رپورٹس آپ میں ایچ آئی وی پازیشن کی نشان دہی کر رہی ہیں۔“

”ماما! ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

اس کی محبت کو نئی کے سوال نے توڑا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے اپنی تین سالہ بیٹی کے بھولے بھالے چہرے کو دیکھ گئی۔

”کتنی بار یوں چھوگی۔ پتہ تو ہے کہ ہم جب ٹرین میں بیٹھے ہیں تو تانوں کے گھرنی جاتے ہیں۔“

اس سے تین سال بڑے راتم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ خود اپنی الجھن دور نہ کر سکا اس لیے اگلے ہی لمحے اب بچہ پوچھ رہا تھا۔

”لیکن ماما، تانوں کے گھر تو ہم چھٹیوں میں جاتے ہیں۔ فیکسٹ ویک میرے ایگزامز شروع ہونے والے ہیں۔ ایگزامز کے دنوں میں تو آپ ہمیں کیوں نہیں لے کر جاتیں نہ چھٹیاں کرواتی ہیں۔ اور ایڑیاں پھونکے دنوں تک تو تانا، تانو، ماموں وغیرہ سب ہمارے گھر آنے والے ہیں پارٹی جو ہے۔ آپ نے ہی بتایا تھا۔“

”اب کوئی پارٹی نہیں ہو رہی۔“

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ پارٹی کے نام پر ہی اس کے تصور میں وہ پیارا سا خوب صورت گھر آگیا جو اس کی سات سالہ ازوداچی زندگی میں اس کے خوابوں کا شمع تھا اور جہاں وہ اگلے ہفتے شفٹ ہونے والے تھے۔ پارٹی بھی اسی خوشی میں ہونی تھی مگر۔

”اور ایگزامز؟“

”وہ بھی نہیں۔ اب پلیر چپ ہو جاؤ۔ میرے سر میں درد ہے۔“

اس نے سختی سے کہا تو مزید کچھ پوچھنے کی راحم کی ہمت نہیں ہوئی مگر نگی خاصی ضدی تھی۔ اس پر ماں کی ڈانٹ ڈپٹ بھی بسا اوقات اثر نہیں کرتی تھی۔

”پاپا ہمارے ساتھ کیوں نہیں آئے؟ بیٹھے نہیں جانا تانوں کے ہاں۔ مجھے پاپا کے پاس جانا ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔“

اس کی تکرار بڑھتی رہی تو سارہ نے زچ ہو کر اسے ایک کھینچر سید کر دیا۔ سارہ نے بیٹھی خاتون نے اخبار

سے نظر پٹا کر بڑی گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ شیٹا کے کھڑکی سے باہر تیزی سے گزرتے مناظر کو دیکھنے لگی۔ مگر اس سے لپٹی سسکیاں لے رہی تھی۔

\*\*\*

”کوئی وجہ بھی تو ہوگی اس طرح اٹھ کے آنے کی؟“ سارہ کی امی اس کی مسلسل چیپ سے جہاں تشویش میں مبتلا ہو رہی تھیں وہیں انہیں اب اس پر غصہ بھی آنے لگا تھا۔

”جب سے آئی ہو اسی طرح تم صبح بیٹھی ہو کر آخر بتاتی رہی کہ تم کب نکلتی ہو گی۔ کیا بارہ بج رہا ہے؟ تمہارے اور فائق کے بر میاں۔“

”کوئی بات پوچھ رہی ہو گی۔“ اس نے سر دھبے میں جواب دیا۔ ”ساری باتیں تم ہو گئی ہیں۔“

”کونسی؟“ کیسے ختم ہو گئی ہیں؟ حد ہے بچھنے کی۔ مجھے تم جیسے ایسی امید نہیں تھی سارہ! میں تو تمہاری بڑی بہن تھی۔ تمہاری ساری سہیلیاں کیا کرتی ہوں۔ تمہاری ساری سہیلیاں کی بڑی باڑی کی اور تمہاری معاملہ نہیں کی۔ تم ایسی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیسے کر سکتی ہو؟ اٹھتے سال سے اوپر ہو رہے ہیں تمہاری شادی کو کبھی ہلکی سی بخش کی خبر بھی آئی ہے۔ چار دن پہلے تمہارے میاں نے فون آیا۔ وہ بیٹا کی شادی کی خوشخبری سنا رہا ہے اور یہ بھی کہ وہ کچھ عرصے سے خرید رہا ہے۔ ہم سب کو اگلے ہفتے بڑھنے والی پارٹی میں مدعو کر رہے تھے تم دونوں اور کل رات تم دونوں بچوں کو لے کر یہاں پہنچ گئیں۔ اس اطلاع کے ساتھ کہ تم واپس جانے کے ارادے سے نہیں آئیں۔

آخر یہ سب کیا ہے؟ کیا جواب دوں میں تمہارے ابا اور تمہارے بھائی بھائیوں کو۔“

”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو آپ کسی کے آگے جواب نہ ہوں۔ دنیا میں پہلا واقعہ نہیں ہے یہ ہر روز کتنی ہی عورتوں کو طلاق ہوتی ہے۔“ اس نے اتنی

سفاکی سے کہا کہ امی لرز کے رہ گئیں۔

”خیر کی بات منہ سے نکالو سارہ! تو یہ تو یہ۔ خبردار جو تم نے یہ لفظ دوبارہ۔“ اچانک ایک خیال انہیں بری طرح سہا گیا۔

”کیسے؟ تمہیں تم؟ میرا مطلب ہے کہ کہیں فائق نے گنجائش کی نوبت ہی تو ختم نہیں کر دی؟ بیٹی سے یہ سوال کرتے ہوئے ان کا دل پھٹ سا گیا۔

”نہیں، طلاق نہیں دی اس نے۔“ اس جواب پر ان کا رکا ہوا سانس بحال ضرور ہوا مگر سارہ کے اگلے الفاظ انہیں پھر سے تیا گئے۔

”جگر وہ دے لیا۔ دیکھو مجھے طلاق چاہے اور وہ بھی جلد از جلد آکر وہ آنا فائق کے پاس۔“

”کیا کیا ہو گیا ہے جو تمہیں کے سامنے عدالتوں میں جانے اور تعلق لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی ہو گی۔“

”آپ کو اپنی نیک نامی کی پروا ہے میرا کوئی خیال نہیں؟“

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“

”بات ذرا سی نہیں ہے امی! ضبط کرتے کرتے بھی سارہ کے آنسو گالوں پہ پھیل گئے امی کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔

”تو بتاتی کیوں نہیں ہو۔ کچھ تاؤ گی تو مجھے پتہ چلے گا۔ سنو، کیا کیا کوئی دوسری عورت؟ میرا مطلب ہے وہ ساری شادی یا کوئی چکر وغیرہ؟“

”تو پھر؟“ نفی میں جواب ملنے پر انہوں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سکون بھرا سانس لیا۔ سب سے بدترین اندیشہ ان کے دل و دماغ میں یہی تھا۔ بے شک سات سالوں کی پرکھ کے بعد وہ خود بھی اپنے دادا کے کردار کی گواہی دے سکتی تھیں مگر زندہ بشر ہے۔ کیا اعتبار اور اب تو دو سال وہ بیوی بچوں سے دور بیرون ملک بھی رہ آیا تھا۔ کیا پتا ایسا کچھ ہو گیا ہو۔ مگر اس کی تردید کر کے خود سارہ نے ان کے ذہن سے یہ بڑا بوجھ سر کا دیا تھا۔

”نشہ وغیرہ کرنے لگا ہے؟“ وہ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

”نہیں۔“

”بچو!۔۔۔ بے لڑی یا کوئی اور غیر قانونی دھندہ؟“ یہ سب سوال وہ خود بھی اس تین کے ساتھ کر رہی تھیں تاکہ ان کا جو ایسا ضرور نفی میں ہی ملے گا۔ فائق صرف ان کا داماد نہیں۔ ان کے بڑے بیٹے کا قریبی دوست بھی تھا۔ وہ اپنے بہنوئی کی رنگ رنگ سے واقف تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ کسی بری لت کا شکار ہو یا کسی غیر قانونی کام میں پھنسا ہوا ہو اور منصور کو خبر نہ ہو سکے۔

”تمہیں خرچا پورا نہیں دیتا مارا پینا ہے اس نے؟ کیا کیا ہے؟“ اب وہ ڈپٹ کے پوچھ رہی تھیں۔

”بس اتنا کہتا کھاتی ہے کہ کچھ تو کیا ہے۔ کچھ ایسا جو میں برداشت نہیں کر سکتی۔ اور اگر سب مل کے مجھ پہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گے تو میں یہاں سے کہیں اور چلی جاؤں گی اپنے بچوں کو لے کر۔“

”چپ رہو تم۔“ امی کو اس کی یہ بات ذرا اچھی نہ لگی۔ اگرچہ اس کے چہرے پہ بھیمانی حد درجہ سنجیدگی اور لہجے کی پختگی انہیں ڈرا رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پہلے سارہ کو اس رویہ میں لہجی نہ دیکھا تھا۔ وہ نہ تو کبھی اتنی ضدی رہی تھی نہ زور زور سے اس بات کو

دل پہ لگانے والی نہ تھی نہ ہی اسے یہاں باپ سے چھوٹی چھوٹی شکایتیں لگانے کی عادت تھی۔ اب کی بات نہیں وہ شادی سے پہلے بھی ایسی ہی تھی۔

فرہاں بردار۔ اطاعت گزار۔ صابر و شاکر سی

ہر حال میں خوش رہنے والی۔

انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ سات آٹھ سال پہلے کی نہیں، ابھی کل ہی کی بات ہو جب اس کالی ایس سی کا رزلٹ آیا تھا۔ اس نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی تھی۔ مائیکرو بیا لوجی میں ایم ایس سی کرنے کا اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ یونیورسٹی کی میرٹ لسٹ میں اس کا نام بھی جلد ہی آ گیا۔ ادھر وہ یونیورسٹی جانے کی تیاریاں کر رہی تھی، ادھر اس کے ابو نے اس کے لیے آئے فائق کے رشتے یہ منظور کر دی۔ اس نے ایک لفظ شکایت کا کہے بغیر ایڈمیشن فارم واپس رکھا اور باپ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا۔ اس کے بڑے بھائی منصور نے اس کی جانب سے احتجاج بھی کیا۔

”ابو! آپ سائز کے ساتھ ہمیشہ زیادتی کرتے آئے ہیں۔ اس کی خواہش تھی ڈاکٹر بننے کی مگر آپ نے میرٹ یہ ہونے کے باوجود اس کو میڈیکل کالج میں داخلہ نہ لینے دیا کیونکہ ٹیمپ بانی کے بعد راجیلہ کی بھی شادی ہو گئی تھی اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ سائز بھی میڈیکل کی سخت پڑھائی میں مصروف ہو جائے اور گھر کی ساری ذمہ داریاں تنہا ہی کے اوپر آجائیں۔ محض گھر کے کاموں میں کھپانے کے لیے آپ نے اس کا مستقبل خراب کیا۔ اب کم از کم اسے ماسٹرز تو کرنے دیں۔ کوئی ڈگری تو ہو اس کے پاس۔ اب ایسی کون سی وجہ نظر آئی ہے آپ کو جو راتوں رات اس کی شادی کرنے پر تل گئے ہیں۔“

منصور خود بھی ڈاکٹر تھے، اس کے علاوہ خواتین کی اعلا تعلیم کے زبردست حامی بھی، اس لیے فائق کا رشتہ پسند آنے کے باوجود فوری شادی کے خلاف تھے۔ فائق ان کے بچپن کا دوست تھا۔

”خدا نخواستہ سائز کا مستقبل کیوں خراب ہونے لگا۔“ ابو برا مان گئے، ہوش میں رہ کے بات کرو صاحبزادے! کیا جو لڑکیاں ڈاکٹر ہو سکتی ہیں بن پائیں ان سب کا مستقبل خراب ہو جاتا ہے؟ لڑکیوں کے لیے اتنی تعلیم کافی ہے۔ فائق کا رشتہ میری نظر میں

بہتر ہے۔“

سائز نے نہ تو پہلے احتجاج کیا نہ بعد میں۔ شادی کے بعد ابتدائی دو تین سال کئی اعتبار سے سخت بھی گزرے۔ ایک تو فائق کی اچھی بھلی جا ب ختم ہو گئی۔ اسے معمولی ملازمت سے ہی گزارا کرنا پڑا، دوسرے اس کے ساس سر د نوں ہی کے بعد دیگرے شدید علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کی علالت اور تیمارداری کی وجہ سے وہ گویا گھر سے بندھ کے رہ گئی تھی مگر انہوں نے ہمیشہ اپنی اس بیٹی کو مشکل سے مشکل حالات میں بھی بہتے ہنکراتے ہی دیکھا تھا۔ بس نے

کئی ایک لفظ شکایت کا نہ کیا۔ سائز نے روئے فائق کو تو جلد ہی ڈاکٹر ایک اچھی بیٹی میں معقول جا ب لیا، اس کے بعد جب کسی کی جانب سے اسے دو سالہ عورت کے سلسلے میں ملائیشیا بھیجا گیا تب بھی سائز نے اپنے اکیلے پن کا عذر کسی کے سامنے پیش نہ کیا اور بڑی ہمت کے ساتھ دو چھوٹے بچوں کے ہمراہ دو سال گزار لیے۔ اگرچہ اس کے والد اور بھائی نے بہت چاہا کہ وہ یہ دو سال کا عرصہ کسی کے گزرا لے لے لیکن پورا رقم کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی جس کا حال ہی میں اسکول میں داخلہ ہوا تھا۔ ان دو سالوں کے دوران وہ کانپور گیا ہے اس کی خبر گیری کے لیے جاتے رہتے تھے تب بھی وہ مسکراتی ہی نظر آتی تھی، اس نے کسی ایسی تکلیف کا ذکر نہ کیا تھا جو ایک جوان لڑکی کے لیے عورت کو تو ہر کی غیر موجودگی میں بچپن کا گھر پر

پھر اب؟۔۔۔ اب ایسا کیا ہوا تھا؟ اب جب تمام مرحلے آسان ہوتے نظر آنے لگے تھے۔ فائق واپس آ چکا تھا۔ اس کی پرموشن ہو چکی تھی اور تنخواہ میں دگنا اضافہ بھی۔ دو سالوں میں سائز کی کی گئی بچت اور کمپنی سے ملے لون سے وہ ایک ذاتی گھر بھی خرید چکا تھا اور اس کی محبتوں اور وفاؤں کے اظہار تشکر کے طور پر اس نے یہ گھر اسی کے نام سے خریدا تھا۔ پھر یکایک ایسا کیا ہوا کہ وہ گھر بار چھوڑ کے یوں بیٹے

آن بیٹھی تھی۔ وہ جو فائق کے بغیر ایک دن بھی یہاں مشکل سے گزارتی تھی اور وہ جو شوہر کا گھر تب بھی چھوڑنے پہ تیار نہ ہوئی تھی جب وہ یہاں موجود نہیں تھا۔

سوچ سوچ کر ان کا دماغ شل ہونے لگا۔ وہ کب سے ہاتھوں میں سر گرائے اس تھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر کوئی سراہا تھ نہیں آ رہا تھا۔ تھک ہار کے انہوں نے اپنا بو جھل سراٹھایا اور کسی امید پر دوبارہ سائز کی جانب دیکھا۔ وہ ہنوز اسی انداز

میں بیٹھی تھی۔ اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ سائز نے چہرے کے لیے سائز کے سامنے والے کلاہ کی سویل پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔ کیا میں فائق کو بتاؤں مگر تمہارے ناپا اور منصور

اس سے بات کریں؟“

”اس کی ضرورت نہیں۔“

”نہ تو میں اس کی نظروں کا راج بدل سکتا ہوں نہ چہرے کی نظر کیفیت میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی۔“

خلع لینے کی باتیں کرے اور ہم وجہ جاننے کی کوشش بھی نہ کریں۔“

”کیا کریں گے آپ وجہ جان کریں؟“

”جو بھی تنازعہ ہے اسے سلجھانے کی کوشش کریں۔“

”اور کیا؟“ سائز نے بات کئی۔ ”میں کہہ چکی ہوں کہ اس قسم کی کوشش کرنا بے کار ہے۔ اب مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر آپ محض اس وجہ سے اصل بات جانتا چاہتے ہیں تاکہ اس مسئلے کو حل کیا جاسکے۔ یعنی نہیں دوبارہ ایک کر سکیں تو پھر رہنے کے لیے یہ ناممکنات میں سے ہے۔“

”تمہارے بچے کی ضدی لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔“ وہ تھک کر یہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں۔ اور ایسا کہتے ہوئے وہ بالکل بھول ہی گئیں کہ ان کی اس بیٹی نے غالباً زندگی میں پہلی بار کسی بات پہ ضد کی تھی۔



”پھر وہی بات۔۔۔ نہیں اس بار نہیں۔“ سائز نے نفی میں سر ہلایا اور ہنڈ سے اٹھ کر صوفے پہ جا بیٹھی۔

”پلیز۔ پلیز بارگما ہے نا اگلی بار نہیں۔“

وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی وہاں آ گیا اور اب نیچے کارپٹ پہ گھٹنے ٹیک کر بیٹھا اسے منارہا تھا۔

”بہت ضدی ہو گئی ہو تم۔ اب تمہاری ناراضیاں اتنی لمبی چلنے لگی ہیں۔ پہلے تو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں مان جلا کر لیتی تھیں۔“

اس کے چہرے سے بے چارگی چمکنے لگی۔

کو تابی نہیں ہوگی۔ چلو چھوڑو یہ روٹھنا۔۔۔ جانے دو۔  
 ایک شریف آدمی تمہارے قدموں میں بیٹھا معافی  
 مانگ رہا ہے۔ اس کے سفید ہوتے بالوں اور شانے  
 تک آتے بچوں کا ہی لحاظ کر لو۔“  
 ”ہتا نہیں آپ ایسے کیوں ہیں؟“ وہ زچ ہوا ٹھی  
 تھی۔

”مجھے شوق نہیں ہے آپ کو قدموں میں بٹھا کے  
 معافیاں منگوانے کا۔ آپ اس کی نوبت ہی کیوں آنے  
 دیتے ہیں۔ کیوں ہر بار اس قسم کی صورت حال پیدا کر  
 دیتے ہیں۔“  
 ”جان بوجھ کر نہیں کرتا یا ر! بس خیال ہی نہیں  
 رہتا۔“

”تو خیال رکھا کریں۔ ہمیں اوقات بے خیالی میں  
 منہ سے نکلنے والے الفاظ سامنے والے کے جذبات کی  
 طرح مجھوں پر لڑیے ہیں اس لئے جس سے کسی کو  
 ”اب ہو رہا ہے سچ کہہ رہا ہوں۔“ اس نے کان  
 پکڑے۔

”اب کیا فائدہ۔ کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلے  
 الفاظ واپس نہیں آتے۔“

”بے شک۔ لیکن میری جانوسی بیکم لچا ہے تو کم از  
 کم میرے کہے الفاظ ضرور بھلائے جاسکتے ہیں۔“

”جب آپ کی حرکتیں بھلائی جاسکتی ہیں تو الفاظ  
 کیوں نہیں۔“ ساتھ نے ایک گہری سانس بھری جیسے

اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ ہو۔  
 فائق نے ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ

اسے دیکھا۔  
 ”لیکن آپ وعدہ کریں، آئندہ ایسا کچھ نہیں کریں  
 گئے۔“

”مگر میں کرتا ہی کیا ہوں؟“  
 ”دیکھا۔“ وہ پھر بھڑک اٹھی۔

”اس لیے مجھے اب آپ پر اعتبار نہیں رہا۔ ابھی  
 معافیاں مانگ رہے تھے اور اب صاف مکر رہے ہیں کہ

میں تو کچھ کرتا ہی نہیں ہوں۔ ویر سے گھر آنا اور وہ بھی  
 بغیر بتائے۔ وعدہ کر کے کسی کے ہاں تقویب میں نہ

پہنچنا، اچھا بھلا آؤٹنگ کا پروگرام بنا کے خود بھول جانا  
 اور مجھے اور بچوں کو تیار کروا کے انتظار کرواتے رہنا۔  
 دن میں کئی کئی بار گھنٹوں کے لیے اپنا موبائل آف  
 رکھنا تاکہ گھر رابطہ نہ ہو سکے۔ جب آپ ملائیشیا میں  
 تھے تب بھی یہی حال تھا۔ میں ادھر فون کر کر کے پکیں  
 ہو جاتی تھی آپ کا کچھ پتہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ خود سے  
 آپ کو کبھی خیال ہی نہیں آتا تھا ہفتوں تک فون  
 کرنے کا۔ حد تو یہ ہے کہ کئی بار آپ ڈرافٹ تک  
 بھجوانا بھول جاتے تھے۔ یہ خیال کیے بغیر کہ آپ کی  
 بیوی کی عادت کیسی ہے وہ ضرورت پڑنے سے کبھی اپنی  
 ماں اور بھائی تک کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے کرتا تھا۔  
 قرضے تک مانگنے کے لیے بھی نہیں۔“

”ابھی وہ سارا دن اس کے ساتھ رہا تھا اور وہ بھی  
 غلطی کے لیے میرے ذہن سے کی نکل کر آتا تھا۔“  
 ”صرف تین بار؟“ اسے ہلکے ہلکے صرف تین بار بولا تھا۔  
 لیکن تینوں بار مجھے کس مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ گھر کا  
 کرایہ بل، راجم کی فیس۔ اور دوسرے خرچے آپ  
 نے تو بعد میں مزید سے کہہ دیا تھا کہ بھولا گیا۔“ وہ  
 چہچہلائی۔  
 ”سب یہ پرانی باتیں کس لیے کھول کے بیٹھ گئی ہو۔  
 اس بات کی معافی تو مانگ چکا تھا سب تینوں بار مانگی تھی  
 اور تینوں بار تم نے کھلے دل سے معاف کیا تھا۔ لیکن  
 اب اس بار میں نے اس بار بھی اس بات کی معافی  
 مانگی ہے۔“ اس نے کہا۔  
 ”میرے دل میں کبھی بھی اس بات کی معافی  
 مانگی ہے۔“ اس نے کہا۔  
 یہ آپ جانتے ہیں۔ بس آپ نے جو بھولا سامنے کے کہا  
 تھا تاکہ میں کرنا کیا ہوں۔ اس بات پہ کچھ پرانے زخم  
 تازہ ہو گئے۔“

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”سوری جان!“ فائق نے اس کا ہاتھ سہلایا۔  
 ”میں مانتا ہوں، کئی بار مجھ سے کو تابی ہو جاتی ہے  
 میں اپنی بہت سی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نہیں نبھا پاتا  
 ہوں لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔  
 میری لا پرواہی کہہ لو۔ سستی کہہ لو، بھولکر ہیں کہہ لو۔  
 بھی سمجھ لو مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے یا بچوں سے

”میں جانتی ہوں۔“ ساتھ نے اپنے ہاتھ پہ رکھے  
 اس کے ہاتھ پہ اپنا گال نکاویا۔ ”اس لیے تو۔“  
 ”کیا اسی لیے تو؟“

”اس لیے تو ہر بار آپ کی خلاصی سستے میں ہو جاتی  
 ہے۔“ وہ ہنس دی تھی۔

”لیکن اس بار نہیں۔“ وہ یکدم واپس حال میں لوٹی  
 تھی۔

ساتھ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے یہاں  
 آئے تین روز ہو گئے تھے مگر چاہتے ہوئے بھی وہ خود کو  
 فائق کے بارے میں سوچنے سے باز نہیں رکھ پا رہی  
 تھی۔

”میں کبھی یاد اس پر غلبہ پالیتی تھی کہ وہ ان  
 کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو پاتا جاتی تھی۔ اس لیے یہ بھی  
 نہیں چلتا تھا اور یادوں کا ریلہ اسے اپنے ساتھ ہمالے  
 جاتا۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہوا تھا۔ وہ اس بارے میں  
 سوچتی نہیں ہو سکتا چاہتی تھی۔ کم از کم کچھ اچھا تو ہرگز  
 نہیں۔“

وہ کئی کئی چن چن کر فائق کی وہ ساری زیادتیاں  
 وہ ساری ناگوار عادتیں یاد کر رہی تھی جن کے ہاتھوں  
 گزشتہ چھ ماہات آٹھ سال میں اس نے خاصی تکلیفیں  
 کھائی تھیں۔ وہ خود کو اذیت پہنچا کر اپنے دل میں پتے  
 ڈالتی اس کی نفرت کو اور بھی قوی کرنا چاہتی تھی مگر ایسا  
 ہو نہیں پاتا تھا۔

نجانے کیسے ہر تنخواہ ایک مسور، مطمئن آسودہ سی  
 کسی آکر ختم ہو جاتی تھی۔  
 ”کہانا اس بار معاف کرو۔ اگلی بار نہیں۔“

”وعدہ؟“  
 ”پکا۔“

اور وہ ہنس دیتی۔ اس کے لب، اس کی آنکھیں،  
 اس کا دل سب ہنسنے لگتے۔

”مگر اس بار نہیں۔ اب کوئی وعدہ، کوئی قسم بھی میرا  
 دل موم نہیں کر سکتی۔“

اس نے مکھم ارادہ کیا۔

”وعدہ؟“  
 ”پکا۔“

اور وہ ہنس دیتی۔ اس کے لب، اس کی آنکھیں،  
 اس کا دل سب ہنسنے لگتے۔

”مگر اس بار نہیں۔ اب کوئی وعدہ، کوئی قسم بھی میرا  
 دل موم نہیں کر سکتی۔“

اس نے مکھم ارادہ کیا۔

”وعدہ؟“  
 ”پکا۔“

اور وہ ہنس دیتی۔ اس کے لب، اس کی آنکھیں،  
 اس کا دل سب ہنسنے لگتے۔

”فائق کا کوئی فون آیا؟“

منصور نے گھر آتے ہی اپنا روز کا سوال دہرایا۔ پچھلے تین چار روز سے اسے جواب نئی میں ہی مل رہا تھا جس پر وہ سوچ میں پڑ جاتا۔

”آخر ایسا کیا ہوا ہے دونوں کے درمیان کہ نہ تو سائز کچھ بتانے پر تیار ہے نہ ہی فائق نے پلٹ کر ہوی بچوں کی خبر لینا چاہی۔ وہ مجھے تو فون کر سکتا تھا۔ آخر ہم اتنے پرانے دوست بھی تو ہیں۔“ لیکن آج امی نے اسے جواب اثبات میں دیا۔

”کیا بات ہوگی؟ آپ نے اس سے پوچھا؟“

منصور جانتا تھا کہ سائز نے فائق سے بات نہیں کی ہوگی۔

”میں کچن میں تھی۔ راحم نے فون اٹھایا تھا جب تک مجھے خبر ہوئی وہ فون بند بھی کر چکا تھا۔ سائز نے بات کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے کو بھی رمانٹ کر منع کر دیا۔ یہ تو بہت غلطی ہوئی ہے پتہ نہیں چلتا دوبارہ فون کرنا بھی ہے یا نہیں۔“ امی نے کہا۔ امی نے کہا کہ تم ہی کر لو مگر تم بھی نہیں مانتے۔ آخر وہ تمہارا دوست بھی تو ہے۔

”لیکن فون تو میں اسے شام کے بعد ڈال رہی ہوں۔“ امی نے کہا اور اس لیے لحاظ آجاتا ہے۔ جب اسے پچھلے پانچ روز سے فکر نہیں ہے کہ یونیٹی لے کر گھر سے نکلی ہے دوسرے شہر کا سفر کر کے سیکے پہنچی بھی ہے یا نہیں تو میں پیل کس لیے کروں لیکن اب اس نے فون کر ہی لیا ہے تو میں بھی صاف صاف بات کر لیتا ہوں۔ پتہ تو چلے معاملہ کیا ہے؟“ وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

”لڑائی جھگڑے کہاں نہیں ہوتے مگر خدا نخواستہ ایسی کون سی بڑی بات ہوگئی جو سائز خلع سے کم ہے راضی ہی نہیں۔ ابھی تو میں نے تمہارے ابا تک یہ بات نہیں پہنچائی۔ وہ بھی بیٹی کا لحاظ کر کے براہ راست اس سے سوال نہیں کر رہے کہ اس کی دل آزاری نہ

ہو مگر کب تک؟ اور کچھ دن تک فائق اسے لینے نہ آیا تو وہ آرام سے نہیں بیٹھیں گے ایک یہ لڑکی ہے کہ اسے کوئی پروا ہی نہیں۔“

”پروا کیسے نہیں ہوگی امی! سائز اتنی کم عقل لڑکی نہیں۔ آپ بھی جانتی ہیں کہ وہ کتنی حساس ہے۔ کچھ تو ایسا ہوگا جس کی وجہ سے وہ اس حد تک آگئی ہے۔“

”اور تمہیں یہ وجہ ہی جانتا ہے سائز ہوں کہ غلطی ضرور فائق کی ہی ہوگی۔ اپنی اولاد کو اتنا تو سمجھتی ہوں۔ مگر کون سی غلطی؟“

”مگر غلطی اس کی ہے تو کیا وہ خود اپنی زبان سے اقرار کر لے گا؟“ منصور نے نکتہ اٹھایا۔ ”میں سوچتا ہوں فون۔ اس سے بات کرنے کے بجائے میں خود ایک دن گئے لیے وہاں چلا جاتا ہوں۔“ اس نے تھک

ہار کر فیصلہ کیا۔

”اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔“ امی نے کہا۔

منصور ایک معروف ترین سٹیڈیل میں سے ایک یا دو دن نکالنا اس کے لیے آسان کام نہیں تھا مگر کسی نہ کسی طرح اس نے اپنی غلطی کو دور کر دیا اور اپنے فائق کو بھی اپنے آنے کی اطلاع میں ڈال دی۔

اور اب ایئر پورٹ سے ٹیکسی لیتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کم از کم فائق کو تو اپنے آنے کی اطلاع دے دینی چاہیے تھی۔ ہو سکتا ہے وہ مصروف ہو۔

یہی سوچتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو فائق کے آفس کا ایڈریس بتایا مگر وہاں پہنچ کر وہ حیران رہ گیا جب یہ پتہ چلا کہ وہ پچھلے ایک ہفتے سے چھٹی پہ ہے۔

کچھ حیران اور کچھ ریشان ہوتے ہوئے منصور نے گھر کا نمبر ملایا۔ مگر وہ مسلسل بڑی مل رہا تھا فائق کا سیل نمبر پہلے ہی آف تھا۔ راستے بھر وہ کوشش کرتا رہا مگر مسلسل ناکامی نے اسے الجھا کے رکھ دیا۔ یہ الجھن



ہو جاتا ہے تو میرے لیے زیادہ اچھا ہے۔ میں تو یہی دعا کروں گی کہ آپ کی خواہش پوری ہو۔۔۔ فائق منصور بھائی کو اصل بات بتا ہی دے۔ میرے لیے آسانی ہو جائے گی۔ جو میں چاہتی ہوں وہ منصور بھائی خود کریں گے۔ یعنی فائق سے میری علیحدگی۔“

اس نے ٹھنڈے لہجے میں اتنے سکون سے کہا کہ امی دنگ رہ گئیں۔ جواب میں ان سے کچھ کہا ہی نہ گیا۔ وہ حیرت سے کتنی دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہیں جو ہر قسم کے اثرات سے عادی تھا۔



”سچ آئی دی یا نہ؟“ یہ انکشاف منصور کے وہ لمحہ گمان سے بھی آگے تھا۔

کتنی ہی دیر تک کمرے میں سکوت کا راج رہا۔ فائق نے جو کتنا تھا وہ کہہ چکا تھا۔

منصور وجہ جانتا چاہتا تھا۔ اب جان چکا تھا۔ شاید دونوں میں ہی اب کچھ اور کہنے سننے کی نہ ضرورت رہی تھی نہ خواہش۔

فائق ایک جانب سر نیہاڑے بیٹھا تھا۔ آنسوئپ شب اس کے ان بندھے ہاتھوں پہ گر رہے تھے جو اس کی گود میں کسی بے جان چیز کی طرح پڑے تھے۔ منصور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے قالین پہ نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ جیسے ہر جانب دھند پھیلی ہو۔ اس کے اندر اٹھتے بے شمار سوال اس دھند میں ٹانگ ٹوئیاں مار رہے تھے۔ پھر ایک نوکیلے سوال نے اچانک اس کے ذہن میں سر اٹھایا۔

”کیا ملایشیا میں کہیں۔۔۔؟“

”پتہ نہیں۔“ فائق اس کے ادھورے سوال کا مکمل مطلب نہ سمجھ سکا۔

”میں نہیں جانتا۔۔۔ یہ کب ہوا۔ میں تو پچھلے دنوں معمول کے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔ وہیں کچھ ٹیسٹ ہوئے اور۔۔۔ اور۔“ اس کی آواز اس کے اندر ہی کہیں گھٹ کے رہ گئی۔

”کس ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟“

”ڈاکٹر احسان اللہ کے پاس۔ ان ہی کی لیب میں ٹیسٹ ہوئے تھے۔“

”ہوں۔۔۔ پھر تو شک کی گنجائش بھی نہیں۔“

منصور نے مایوسی سے سر ہلایا۔

”انہوں نے یہ بتایا کہ تم کب سے اس کے شکار ہو؟“

”میری ان سے اتنی تفصیلی بات نہیں ہوئی میں تو یہ سن کر ہی حواس کھو بیٹھا تھا۔ تم خود سوچو منصور! ایک انسان کو یہ پتہ چلے کہ وہ موت کے دلہنے پہ بیٹھا ہے اور وہ بھی ایک ذلت آمیز موت۔۔۔ تو اس کی جان بچا کر لے کر آئی ہو۔۔۔“

”کے لیے کہا تھا لیکن میڈیسن اسٹ ہر سوئی اور پھر پھر سائنس کی لہجہ میں کتنی ہی چلے گئے۔۔۔“

”ہوں۔۔۔ ڈاکٹر بالکل اکیلا۔“

”تیس اتنی جلدی ساتھ سے بات کرنے کی ضرورت کیا تھی؟“ منصور کا لہجہ اب اکٹھا اکٹھا تھا۔

اس کی ہوا انہوں میں بھی فائق کے لیے ہمدردی اور غلوں کے بجائے شک و شبہ بھٹک رہا تھا۔

”میں۔۔۔ میں بس تجھے کچھ سوچھائی نہیں میں آخر کس کے گھما بنے اپنا دکھ ہلکا کرنا کون تمہارے کے سوا۔“

وہ نظریں چرائے گا جیسے واقعی یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ہو۔

”اس سے پہلے تمہارے پھر پوچھا۔“

”تجھے؟“ منصور نے پھر پوچھا۔

”شاید ڈھائی تین سال پہلے۔۔۔ ملایشیا جانے سے کچھ ہی ہفتے پہلے تم تو اپنی بہن کو جانتے ہو۔ وہ ڈاکٹر کی بہن ہی نہیں خود بھی آدھی ڈاکٹر ہے۔ باقاعدگی سے اپنا اور میرا میڈیکل چیک اپ کروانے کی عادی ہے۔ تب سب کچھ ٹھیک تھا۔ پھر پتہ نہیں کیسے؟“

”یعنی میرا شک درست نکلا۔“ منصور کی آنکھوں میں جیسے کے رنگ اور گہرے ہوئے۔ ”یہ روگ تم نے ملایشیا میں لگایا ہے۔ تم ایک سمجھ دار ذی ہوش انسان ہوتے ہوئے ایسی غلطی کیسے کر بیٹھے۔“

”اس حماقت کی توقع نہیں تھی۔“

”کیا مطلب؟ یعنی تم کہنا چاہتے ہو کہ میں نہیں نے جان بوجھ کر۔ اور تو تم بھی عام لوگوں کی طرح یہ سمجھتے ہو کہ یہ مرض صرف اور صرف بے راہ روی کے باعث ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے باوجود تم ایسی بات کر رہے ہو۔ امید تو مجھے بھی تم سے یہ نہیں تھی منصور! وہ تاسف سے بولا۔

”میں مانتا ہوں اس کی اور بھی بہت سی ٹھوس وجوہات ہیں لیکن تم ملایشیا سے آرہے ہو کسی پسماندہ ملک سے نہیں جہاں استعمال شدہ سرجنگلے کا اندیشہ ہو اور تمہارا کچھ نہ تو کوئی ایسا حادثہ ہوا تھا نہ ہی تم

اس دوران اس کی ساری باتیں سن رہے تھے۔

”یہ یا ڈاکٹر کے ذریعے لگے۔“

”تم انہوں نے علم میں تو لگاتے نہیں۔“

”بافرض اگر ایسا ہو جیسا کہ ہے تو ملائیشیا جیسے ملک میں

ایسی بے احتیاطی کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش جیسے ممالک میں یہ مرض اتنی وجہ سے پھیل رہا ہے کہ یہ کون کون سے ممالک میں خطرناک پھیلتے ہوئے ہے۔ اس کی لگائی کی لگائی نہیں کی جاتی جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں ایڈز کے پھیلاؤ

کی وجہ سے صرف اور صرف ”ہے۔“

”منصور! فائق کے چہرے پہ ایک بیک

”تکلیف کے آثار نمودار ہوئے۔“

”ڈاکٹر! یہ سب کچھ تو تم میرے

دوست ہو جس عمر میں ہو اور اس عمر سے میرے

”جے کیا تمہیں میرے اس دور کی ایسی کوئی بھی بات یاد ہے جس کو بنیاد بنا کر تم مجھ پہ ایسا الزام لگا سکو۔ تم تو گواہ ہو میری شفاف اور بے دلغ زندگی کے۔ اب اس عمر میں میں نے ایسا کیا کرتا تھا جب کہ میں خود ایک بیٹی کا

باپ ہوں۔ میں اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن ہوں، اپنی بیوی سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے کیا ضرورت ہے ان سب خرافات میں پڑنے کی۔“

اس نے اتنے پر زور اور جذباتی انداز میں حوالہ دیا

”اور یہ لیکن تو تم اسے دلا سکتے ہو تا کم از کم اتنا تو۔۔۔“

”بیویاں اس معاملے میں کتنی حساس ہوتی ہیں“

کہ منصور کو ایک ایک کر کے وہ سارے واقعات یاد آنے لگے کالج کے زمانے کے وہ واقعات جن میں وہ اور اس کے دوسرے شیون مزاج دوست فائق کو بدھو زائد خشک وغیرہ کا خطاب دیا کرتے تھے کیونکہ اپنی تمام تر شوخی کھلنڈرے پن کے باوجود وہ صنف نازک سے ایک مخصوص فاصلے پہ رہنا پسند کرتا تھا۔ اسے عورت ذات کی تحقیر کرنا کبھی کبھی پسند نہ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی بہن کے لیے کتنے والے اس کے رشتے پہ فوراً پسندیدگی ظاہر کر دی تھی اگرچہ کہ وہ ساتھ کی مزید تعلیم کے حق میں تھا۔

”مجھے دکھ اس لیے نہیں کہ مجھ پہ انگلی اٹھی۔ میں اپنی طور پر اس کے لیے تیار تھا۔ پتہ ہے جب ڈاکٹر احسان نے مجھے یہ محسوس خبر سنائی تو مجھے ہر جانب سے خود پہ پتھر برسے محسوس ہوئے تھے۔ میں کھات میں بیٹھی موت کے اتنا خوف زدہ نہیں ہوا جتنا خوف مجھے اس بات سے آیا کہ اب میرے کردار پہ چھینٹے اڑائے جائیں گے۔ دکھ تو مجھے اس بات کا ہے کہ تم جو مجھے سب سے زیادہ جاننے کا دعوا کرتے تھے تم نے بھی یہ الزام لگاتے ہوئے ایک بار بھی میری صاف ستھری زندگی پہ نظر ڈالنا ضروری نہ سمجھا؟“

منصور کو اب شرمندگی ہو رہی تھی۔

”مجھے افسوس ہے فائق! مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں تمہیں انجانے میں مزید دکھ دے بیٹھا۔ اب میں سمجھ سکتا ہوں کہ ساتھ نے یہ فیصلہ کیوں کیا۔ میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا لیکن وعدہ نہیں کر سکتا۔ وہ میری بہن ہے فائق! اور میں اسے اس بات پہ مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ ایک ایچ آئی وی سٹینٹ کے ساتھ زندگی گزارے۔ جس میں ہر وقت اس کے بھی متاثر ہونے کا خطرہ رہے گا۔ یقیناً وہ یہ رسک نہیں لینا چاہے گی۔ اگر تمہاری بے گناہی کا یقین کر بھی لے تب بھی۔“

”اور یہ لیکن تو تم اسے دلا سکتے ہو تا کم از کم اتنا تو۔۔۔“

”بیویاں اس معاملے میں کتنی حساس ہوتی ہیں“

”اور یہ لیکن تو تم اسے دلا سکتے ہو تا کم از کم اتنا تو۔۔۔“

”بیویاں اس معاملے میں کتنی حساس ہوتی ہیں“

”اور یہ لیکن تو تم اسے دلا سکتے ہو تا کم از کم اتنا تو۔۔۔“

”بیویاں اس معاملے میں کتنی حساس ہوتی ہیں“

”اور یہ لیکن تو تم اسے دلا سکتے ہو تا کم از کم اتنا تو۔۔۔“

”بیویاں اس معاملے میں کتنی حساس ہوتی ہیں“

”اور یہ لیکن تو تم اسے دلا سکتے ہو تا کم از کم اتنا تو۔۔۔“

”بیویاں اس معاملے میں کتنی حساس ہوتی ہیں“

ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ اسے تمہاری بیماری نے اتنا پریشان نہیں کیا جتنا اس بیماری کے نام نے۔ یہ لفظ ایڈز سے ہی اتنا خوفناک اور ایک بات واضح کر دوں کہ ایڈز ایک الگ مرض ہے اور یقیناً "سنگین نوعیت کا"۔ جبکہ ایچ آئی وی ہشٹ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ لازماً "ایڈز کا شکار ہو۔ ہاں البتہ اس میں ایچ آئی وی پائیزو ہونے کا مطلب ہے کہ اس میں دائرس آچکا ہے اور کسی بھی وقت ایڈز اس کے مدافعتی نظام کو ٹھس ٹھس کرنا اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔"

تھا۔ وہاں تو ایسا بھی کچھ نہیں۔" اچانک بات کرتے کرتے وہ بری طرح چونکا۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔  
"کیا ہوا؟" منصور نے بے چینی سے سوال کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے کچھ یاد آیا ہے۔ کچھ ایسا جس سے یہ معمہ حل کرنے میں مدد مل سکتی ہو۔  
"وہ۔۔۔ منصور میں 'میں بلایشیا جانے سے کچھ دن قبل بھی ڈائریا کا شکار ہوا تھا۔ تمہیں یاد ہو گا؟ اسی کی وجہ سے میں تم لوگوں سے ملنے نہ آسکا تھا۔"

"کونسی بھی وقت؟" مثلاً "مثلاً" کتنا وقت ہے میرے پاس؟  
"یہ تو تمہیں تمہارا ڈاکٹر بہتر طور پر بتا سکتا تھا۔ تم نے اس خود ساختہ قید سے اپنے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔ تمہیں ڈاکٹر احسان اللہ سے مستقل رابطے اور مشورے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس دائرس کو فعال ہونے میں اتنی ہی کم وقت لگتا ہے جتنا کم زور اس جسم کا مدافعتی نظام ہو گا۔ اگر تمہاری عمومی صحت اچھی رہتی ہے اور دواؤں کے ذریعے تمہارے جسم کا مدافعتی نظام مضبوط رہتا ہے تو امکان ہے کہ ایڈز کا حملہ تم پہ بیس پچیس سال تک نہیں ہو گا۔ مگر عام لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک ایچ آئی وی پائیزو ہونے کا مطلب ایڈز میں مبتلا ہونا ہی ہے اور عام رویہ بھی یہی ہے کہ ایڈز میں مبتلا شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔"

"ہاں پھر؟"  
"پھر یہ کہ۔۔۔ میں تقریباً ایک رات اور ایک دن ہسپتال رہا تھا اور اس دوران مجھے ایک نئی بیماری بار بار لگی تھی۔ اسے جینس بھی کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے اسے کون سے ہسپتال رہے تھے تم؟"  
"ایک چھوٹی سی ہسپتال نہیں یہیں ایک پرائیویٹ کلینک تھا۔"  
"اگر وہ اس کا مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے تو اسے کچھ جتنے پہلے جوئیٹس تم نے کرائے تھے وہ ضرور کھڑے تھے مگر دائرس تمہارے جسم سے ہی اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ ان گلی محلوں میں کھلنے والے پرائیویٹ کلینکس نے بھی ایڈز پھیلانے اور اس جیسے دوسرے بیماریوں کو پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"  
"تم سائے کو بتاؤ اسے بتاؤ کہ میں نے اپنے اندر یہ جراثیم میں ناکرہ جرم کی سزا بھگت رہا ہوں۔ میری عمر کم ہے۔ اضافہ نہ کرے وہ لوٹ آئے مجھے معاف کر دے۔"  
"معاذ کیسی فائق۔" منصور تذبذب کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔  
ایک جانب دوست تھا دوسری جانب بہن۔  
دل اس کی معصومیت اور بے گناہی کو تسلیم کر رہا تھا اور دماغ سائے کے حق میں وکالت کر رہا تھا۔  
وہ نہ تو فائق کا دل دکھانا چاہتا تھا نہ ہی اس کی امید توڑنا چاہتا تھا مگر وہ سائے کو جانتے بوجھے کنوس میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ اچھی طرح

"تم ذہن پہ زور دے کر یاد کرو۔ شاید کبھی تم وہاں بیمار رہے ہو ہسپتال داخل ہوئے ہو کسی قسم کی کمزوری کی وجہ سے تمہیں ڈرپ یا خون لگا ہو؟"  
"ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ پاکستان کے مقابلے میں میری صحت وہاں زیادہ بہتر رہی ہے۔ وہاں کی آب و ہوا مجھے خاصی موافق آئی تھی۔ یہاں تھا تو اکثر و بیشتر خصوصاً "مگر میوں کے موسم میں مجھے ڈائریا ہو جایا کرتا

جاننا تھا کہ بے شک ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔

"اس میں میرا کیا دخل ہے؟" فائق نے کہا۔  
"میں نے کہا ہے کہ ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔  
"میں نے کہا ہے کہ ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔  
"میں نے کہا ہے کہ ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔

دائرس کر سکتے ہیں۔ شاید یہ سب سوچ کر ہی وہ تم سے دور چلی گئی ہو۔ آخر وہ صرف تمہاری بیوی ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایسی معاشرے کی فرد ہے اور اس معاشرے میں اس نے اپنے بچوں کی پرورش کرنی ہے۔ اسے نہیں چاہتی ہوگی کہ بچوں پہ ان سب باتوں کا اثر ہو۔"  
"میں یہ بات نہیں سمجھتا۔ وہ دراصل۔۔۔ کچھ بھگت کرنا چاہتا ہے۔ حجاب ہو گیا۔  
منصور نے کہا۔ جو بات کہہ رہے ہوئے اللہ سے حجاب آؤں گے۔ فائق نے کہا۔ یہ بھی وہ بات ہے جس سے تمہیں ڈر ہے۔ اس نے آگے بڑھ کے اپنے دوست کے شانے پر ہاتھ رکھا۔  
"تم علاج کے سلسلے میں بالکل کو تباہی مت کرو۔ کل ہی ڈاکٹر احسان اللہ کے پاس جاؤ۔ میں ایسے بہت سے ایچ آئی وی پائیزو افراد کو جانتا ہوں جو اس دائرس کے ساتھ بھی مکمل پرہیز احتیاط اور علاج کے ساتھ گزشتہ کئی سالوں سے کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ۔"  
وہ جانتا تھا کہ اس وقت فائق کو امید افزا باتوں کی ہی ضرورت ہے۔ اس نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ

وہ سائے کو موم کرنے کی ایک اور کوشش ضرور کرے گا۔ اس سے فائق کی بگھری حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح ایک نارمل اور مکمل زندگی جینے کا پورا حق حاصل ہے خصوصاً "اس صورت میں کہ وہ بے قصور بھی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ گزار رہے ہوں گے کامیاب زندگی مگر اپنی فیملی کے ساتھ میں جی کے کیا کروں گا۔ کس لیے لڑوں اس عفریت سے؟ کہاں سے لاؤں جینے کا حوصلہ؟ کس کے لیے؟ منصور! تم میرے دوست ہو میرا ایک کام کرو۔ وعدہ کرو۔ منصور۔"

"میں نہیں سمجھتا۔" فائق نے کہا۔  
"میں نے کہا ہے کہ ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔  
"میں نے کہا ہے کہ ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔  
"میں نے کہا ہے کہ ایچ آئی وی پائیزو ہشٹ کے خود کئی سال تک ایڈز کے شکار میں جانے سے بچ سکتا ہے مگر وہ اپنا دائرس کسی دوسرے تک آسانی سے منتقل کر سکتا ہے اور اس کا خدشہ سب سے زیادہ شریک حیات کو ہو سکتا ہے۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک جائز شرعی رشتہ ہوتے ہوئے کوئی کب تک خود بہ بند باندھ سکتا ہے مگر ایک بھائی ہونے کے ناتے یہ صحیح حقیقت اسے فائق سے بیان کرتے ہوئے حجاب آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے سوچ رہا تھا کہ فائق اتنی واضح بات خود کیوں نہیں سمجھ رہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا؟"  
"بس تم اسے اتنا کہہ دو کہ وہ طلاق مت لے۔ میں اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ رہے یا نہ رہے، میرے جیتے رہنے کے لیے یہ آسرا کافی ہو گا کہ وہ اب بھی میری ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ خود غرضی ہے مگر منصور! جس عذاب میں گرفتار ہونے میں میری کوئی غلطی نہیں، اس عذاب سے نمٹنے کے لیے اتنا سارا اچھا میری خود غرضی نہیں، مجبوری ہے۔ مجھے بھی اپنے اندر زندگی کی خواہش بیدار رکھنے کا کوئی



"ہاں ساتھ بیٹے ایہ رشتہ اتنا کمزور نہیں۔ تم نے اللہ رسول کو حاضر ناظر جان کے اس رشتے پہ رضامندی ظاہر کی تھی۔ نکاح کا مطلب یہ نہیں کہ اچھے وقت میں وفاداری نبھائی جائے اور برے وقت میں آنکھیں پھیر لی جائیں۔ وہ تمہارا شوہر ہے اور شوہر کے بہت سے حقوق اللہ نے عورت پہ رکھے چھوڑے ہیں۔ اس کا برا وقت چل رہا ہے ایسے میں اس کا ہاتھ جھٹک کر علیحدہ ہونے پر تم اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی مول لے سکتی ہو۔ تم وہ دن یاد کرو جب اس کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزار رہی تھیں۔ اس نے تمہارے سب حقوق ادا کیے ہر ممکن خوشیوں تمہیں سہا کی۔ تمہاری اور اپنی اولاد کی خاطر روپس کا کاپا ایک مشکل وقت میں اس کا سارا بننے کے بجائے تم اسے چھوڑ دینا چاہتی ہو۔ نہیں نہ یہ میری تربیت کے لئے نہ اچھی مسلمان بیویوں کا شیوہ۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہہ کے بات ختم کر دی۔

ساتھ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر ان کے سامنے احتجاج کو بے کار جانتے ہوئے چپ ہو گئی۔

واپس جاتے ہوئے اس کے انداز میں بے بسی اور جھنجھلاہٹ نمایاں تھی۔

"دکھو تم۔۔۔ بیٹی کو اچھی اقدار سے آگاہ کرنا تمہارا فرض ہے۔ فائق کی جگہ اپنے بیٹے کو اور ساتھ کی جگہ ہو کو رکھ کے سوچو۔ کیا تب بھی تم اس کا ساتھ دیتیں؟ اس سفاک سولل پہ وہ کانپ اٹھیں۔"

"اللہ نہ کرے کسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"یہ احساس دلانا چاہ رہا ہوں کہ یہ ناگمانی آفت ہے۔ فائق پہ مجھے اتنا ہی اعتبار ہے جتنا منصور پر۔ اگر خدا نخواستہ وہ خود ذمہ دار ہو تا اس عذاب کا تب شاید میں بھی ساتھ کے حق میں فیصلہ دیتا لیکن ساتھ کے پاس بھی کوئی وجہ نہیں ہے اسے قصور وار ثابت کرنے کی۔ اسے کو عقل سے کام لے۔ مجھے فائق کی حکمت عملی پسند آتی ہے۔ بے شک ساتھ بچوں کے ساتھ یہاں رہے جب تک جی چاہے رہے مگر فائق سے نہ تو رشتہ

ختم کرے نہ ہی رابطہ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات میں خود بخود نرمی پیدا ہو جائے گی۔ اسے اس بات پہ رضامند کرنا تمہارا کام ہے۔"

انہوں نے خاموشی سے سر ہلا دیا مگر وہ جانتی تھیں کہ یہ کام کتنا دشوار ہے۔ ساتھ کو ہٹ کا اتنا پکا انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں پایا تھا۔

\*\*\*

"میں اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

آج پھر فائق کا فون آیا تھا۔ وہ ساتھ سے صرف ایک بار بات کرنے کا خواہش مند تھا مگر وہ رضامند نہیں ہو سکی۔

"اس فون کو کتنا کیا چاہتا ہے؟" فائق نے اسے کہا۔

"میں جانتی ہوں اسے کیا کتنا ہے۔" ساتھ نے بے حسی کا لہرہ اڑا دیا۔

"بیٹی! اتنا مطمئن اچھا نہیں۔ وہ قسمیں اٹھا رہا ہے کہ وہ گناہ گار نہیں۔ اس نے اپنے مرحوم والدین کی قسم بھی اٹھائی ہے اپنے معصوم بچوں کی بھی اور وہ تو قرآن تک اٹھا رہا ہے۔" ساتھ نے اس کی بیاری کی لوجھبٹ کی وجہ سے اٹھ کر اٹھ کے ساتھ میں رہنا چاہتیں۔ یہ بات عقل تسلیم کرتی ہے۔ تمہارے ان خدشات کو تو تمہارا بھائی اور بھائی بھی جانتے ہیں مگر فائق سے اتنی نفرت؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی اتنی تحقیق کرنا تمہیں زیب نہیں آتی۔ آخر وہ تمہارا شوہر ہے۔ تمہارا کیوں نہیں لیتیں کہ وہ بے قصور ہے۔ شاید تمہارا اسی بات سے اسے قرار آجائے۔ بلا باہر بھونک رہا ہے۔"

"نکرتا رہے میری بلا سے عمر بھر کرتا رہے کھانا رہے قسمیں اپنی پاک دامنی کی۔ مجھے یقین نہیں کرنا تو بس نہیں کرنا۔"

"بھئی حد سے ہٹ دھرمی اور سنگ دلی کی۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھ گئیں اور منصور سے کہہ دیا کہ وہ بات کرنے پہ آمادہ نہیں۔

منصور ریسیور ہاتھ میں لیے انتظار کر رہا تھا۔ اسے نئے سرے سے ساتھ پہ تاؤ آیا مگر ضبط سے کام لیتے

ہوئے اس نے فائق سے بسانہ بنایا۔

"وہ شاید سو گئی ہے۔"

"طفل تسلیاں مت دو دوست میں جانتا ہوں کہ وہ میری آواز تک سننے پہ تیار نہیں۔ مگر اسے تیار کرو اسے مناؤ۔ اسے یاد دلاؤ کہ اس کا ظرف اور اس کا دل کتنا بڑا ہے۔ وہ ہمیشہ میری خطا میں معاف کرتی آئی ہے۔ ہمیشہ میری کوتاہیوں کو گزر گرتی آئی ہے۔ بہت بڑا دل ہے اس کا اور اس دل میں بے حد بے حد بے حد محبت اور گداز بھی بھرا ہے۔ اسے یہ سب یاد دلاؤ منصور! اس سے کہہ کہ فائق اب بھی تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ تمہاری باتیں اور تمہاری محبتیں۔" ساتھ نے کہا۔

"آخری بار ساتھ نے۔۔۔ آخری بار ساتھ نے۔۔۔ آخری بار ساتھ نے۔۔۔"

اس نے کہا کہ اس بار بھی اپنا دل چھوڑ کر اسے یاد دلاؤ۔ اسے یاد دلاؤ کہ اس کا دل کتنا بڑا ہے۔ وہ ہمیشہ میری خطا میں معاف کرتی آئی ہے۔ ہمیشہ میری کوتاہیوں کو گزر گرتی آئی ہے۔ بہت بڑا دل ہے اس کا اور اس دل میں بے حد بے حد بے حد محبت اور گداز بھی بھرا ہے۔ اسے یہ سب یاد دلاؤ منصور! اس سے کہہ کہ فائق اب بھی تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ تمہاری باتیں اور تمہاری محبتیں۔"

"مگر تم تو نہیں معذرت خواہانہ رویہ اپنائے رہو گے تو وہ اور بھلے گی۔ ایک ہم ہیں کہ اسے تمہاری باتیں یاد دلاؤ۔ اسے یاد دلاؤ کہ اس کا دل کتنا بڑا ہے۔ وہ ہمیشہ میری خطا میں معاف کرتی آئی ہے۔ ہمیشہ میری کوتاہیوں کو گزر گرتی آئی ہے۔ بہت بڑا دل ہے اس کا اور اس دل میں بے حد بے حد بے حد محبت اور گداز بھی بھرا ہے۔ اسے یہ سب یاد دلاؤ منصور! اس سے کہہ کہ فائق اب بھی تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ تمہاری باتیں اور تمہاری محبتیں۔"

اس نے فائق کو تسلی دے کر فون رکھا اور ذمہ سے تفصیلی بات کی۔

"نی الحال میں اتنا کر سکتی ہوں کہ اسے فون پہ فائق سے بات کرنے پہ تیار کر لوں۔ اس سے زیادہ زور دالنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"یہ بھی غنیمت ہو گا۔ وہ غریب بلکن ہو رہا ہے اس کے پاؤں تک پہنچنے پہ تیار ہے۔ جب تک یہ لڑکی اس سے بات نہیں کرے گی اور اپنا طلاق کا فیصلہ واپس نہیں لے گی وہ اپنا علاج نہیں کروائے گا۔ یہ قسم اٹھا چکا ہے وہ۔ کم از کم انسانی ہمدردی کی بنیاد پہ ہی ساتھ مان جائے۔"

زویہ بڑی امیدیں لے کر ساتھ سے بات کرنے لگی تھی۔ نند بھالی کا رشتہ ہونے کے باوجود دونوں میں ذہنی ہم آہنگی اور دوستی مثالی تھی۔

"بھالی! آپ بھی؟" ساتھ نے سر تھام کے رو گئی۔

"مجھے امید تھی کہ تم از کم آپ کو مجھے سمجھیں گی۔" ساتھ نے کہا۔

"مجھے مجبور کرنا کیسا جا رہا ہے۔"

کوئی بیوقوف ہے کہ فائق کو یہ مرض اس کی بے راہ روی کی وجہ سے لگا ہے۔ ہمارے پاس تو اس کی سچائی پہ یقین کرنے کے لیے اس کے گزرے ماہ و سال ہیں جو اس کے کردار کے ستھرے ہونے کی تائید کرتے ہیں۔

زویہ کچھ بھی کر لے میں یقین نہیں کروں گی۔ اس نے پھر لیے لہجے میں کہا۔

زویہ بھی اس بات پہ ایسے ہی جھنجھلا گئی جیسے منصور اور امی جھنجھلا جاتے تھے۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو۔ تمہیں اس کے پاس جانے کے لیے کوئی مجبور نہیں کر رہا۔ نہ تم ہم پہ بوجھ ہو نہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارا دشمن ہے جو زبردستی تمہیں اس کے ساتھ رہنے پہ مجبور کرے گا۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے مجھے مکمل احساس ہے کہ ایک ایڈز کے مریض کے ساتھ ایک ہی چھت تلے ایک ہی چار دیواری میں اور اس نازک رشتے کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا مشکل ہے۔ لیکن منصور چاہتے ہیں کہ تم صرف اتنی رعایت برت لو فائق کے ساتھ کہ اس سے فی الحال علیحدگی اختیار نہ کرو۔ ابھی اس کا موعہ دو۔ اسے علاج کی ضرورت ہے بروقت علاج کی

اور محض تمہاری ناراضی کی وجہ سے وہ اپنا علاج نہیں کروا رہا۔ تم ایک بار اس سے نرمی سے بات کر لیں اس کی بات کا یقین کر لو۔

”نہیں کروا تا علاج تو بے شک مت کروائے۔ میری ذمہ داری نہیں ہے یہ۔ مگر میں بات نہیں کروں گی۔ اس بار تو ہرگز نہیں۔“

”وہ شوہر ہے تمہارا۔“ زویہ کو شدید دکھ ہوا۔ وہ سائز کو بہت حساس سمجھتی تھی مگر اب اس کی بے بسی ڈالے ایک افسوس ناک حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔

”تم کتنی بدل گئی ہو سائز! تم ایسی کٹھن بن گئی تھیں۔ تمہارا یہ فرض بنتا ہے کہ۔“

”بس کیجئے بھائی! جسے دیکھو وہ مجھے میرے فرائض اور شوہر کے حقوق یاد دلا رہا ہے۔ میں کبھی یاد نہیں دیتا چاہتی سوائے اس ایک بات کے۔“

”کس بات کے؟“ زویہ چونکی تھی۔ مجھے پہلے بھی کئی بار لگا ہے کہ تم کچھ چھپا رہی ہو۔ مجھے بتاؤ سائز! شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔“

”آپ میری مدد کرنا چاہتی ہیں تو بس اتنا کہجئے کہ ابا جی اور منصور بھائی کو کہہ دیں، مجھ پہ فائق سے مصالحت کرنے کے لیے دباؤ مت ڈالیں۔ میں ایسا مرنے کے بھی نہیں کیوں گی۔“

”میرا شک یقین میں بدل رہا ہے سائز! مجھے کئی بار ایسا محسوس ہوا جیسے تمہارے دل میں اس بات کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ تم صرف فائق کی بیماری کی وجہ سے اس سے گریزاں نہیں ہو کوئی اور وجہ بھی ہے۔“

”ہاں ہے وجہ۔“ وہ بھی اس کانٹے کو دل میں پیوست کیے ہوئے اب درد سے تڑھلا ہونے لگی تھی۔

”ہر کوئی مجھے موروثی مہر ارہا ہے۔ میرے اپنے والدین، میرے بھائی بھائی، بہنیں سب کے نزدیک میں پتھر بدل ہوں۔ فائق کے ساتھ سختی سے پیش آرہی ہوں مگر میرا کہنا ہے کہ وہ اسی کا مستحق ہے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ کا۔“

اسی وقت منصور نے بھی سائز سے بات کرنے کے لیے آتا چلا وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے زویہ کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر اسے لگا کہ اسے بھی اندر جانا چاہیے مگر کمرے کے اوہ کھلے دروازے پہ وہ رک جانے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

”باباجی کے نزدیک میں ایک مثالی مشرقی اور مسلمان بیوی نہیں ہوں کیونکہ میں نے مشکل وقت میں شوہر کا ساتھ دینے کے بجائے اپنا راستہ الگ کر لیا ہے۔ منصور بھائی کا کہنا ہے کہ اتنے برسوں کے ساتھ کے بعد بھی میں فائق کو سمجھ نہیں پاتی اور اس کی بے گناہی نہیں سمجھتی۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

ڈھال بنتا ہے کیسے انہیں ایڈز کے عفریت کے شکنجے سے کامیابی کے ساتھ کھینچ کر لانا ہے۔ میں۔ میں یہ سب سوچ رہی تھی اور فائق نے صرف ایک ہی بات سوچی۔“

سائز نے سر اٹھا کے زویہ کو دیکھا جو متحسب نظروں سے اس کے آنسوؤں سے بھرے چہرے کو تکر رہی تھی۔

”فائق نے کہا۔“ سائز نے اپنا خشک ہوتا حلق تر کیا۔

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”کیا بتاتی اور کیسے بتاتی۔ ایک بھائی کے سامنے کیسے کہتی کہ اس کی بہن پہ اس کے شوہر نے الزام لگایا ہے کہ وہ پارسا نہیں ہے۔ میں مرنا جاتی یہ سب کہتے ہوئے اور میرے ماں باپ نہ مرجاتے یہ سن کر۔ میں آپ کو کیا بتاؤں بھائی! مجھ پہ کیا گزری تھی۔ میں کتنی دیر تو یقین تک نہ کر سکی کہ یہ سب فائق نے کہا ہے اور وہ بھی مجھ سے۔ کیا صدمے سے ان کا دماغ الٹ گیا تھا؟ مگر نہیں وہ پورے ہوش و حواس میں تھے۔ حواس تو میرے مثل ہو گئے تھے۔ وہ اسی شام مجھے ٹیسٹ کروانے لے گئے اور اگلے دن۔ اگلے دن جب

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“

”میرا دل نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کو سمجھ سکوں۔ تمہاری باتوں کو سمجھنے کے لیے میں نے اپنی زندگی بھر کی ساری باتیں یاد رکھی ہیں۔ میں نے سب یاد رکھا ہے۔“